۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

# ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۴

## اس شمارے میں



اداریہ

# اردو گھر

## (آئینہ خانہ بنے گا جلوہ صد رنگ کا)

خدا خدا کرکے اب ایسی صورت پیدا ہوئی ہے کہ وزارت تعلیم مولانا آزاد کا پرانا وعدہ وفا کرنے والی ہے اور اردو گھر کی تعمیر کے لئے کچھ شرطوں کے ساتھ چار لاکھ روپیہ دینا اس نے منظور کرلیا ہے۔ اس خبر کا اعلان اگرچہ وزارت کی طرف سے ہوچکا ہے لیکن ہم نے اس وجہ سے اب تک اس پر اظہار خیال نہیں کیا تھا کہ ہماری مجلس عام نے وزارت تعلیم کے خط پر غور نہیں کیا تھا۔ اب ۳۰ اگست کے جلسے میں مجلس عام نے اصولی طور پر یہ پیش کش منظور کرلی ہے اور صدر انجمن کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ تفصیلات پر وزیر تعلیم سے گفتگو کرلیں، وزیر تعلیم چاہتے ہیں کہ اردو گھر میں کچھ جگہ حکومت کے ترقی اردو بورڈ کے دفتر کو بھی دی جائے۔ چونکہ یہ حکومت کا ہی معاملہ نہیں بلکہ ترقی اردو بورڈ اردو میں علمی لٹریچر کی تیاری کے لئے قائم کیا گیا ہے، اس لئے انجمن بھی دوسرے اردو اداروں کی طرح ترقی اردو بورڈ کی صلاح و فلاح سے دلچسپی رکھتی ہے اور اس نیک کام میں خاطر خواہ مدد کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ بہرحال امید یہ ہے کہ جلد ہمارے صدر تمام پہلوؤں پر گفتگو کرلیں گے اور دو مہینے کے اندر ہم تعمیر کا کام شروع کرسکیں گے۔

ہمارے آرکیٹکٹ نے اردو گھر کی تعمیر کا تخمینہ سوا آٹھ لاکھ کیا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ انجمن کے پاس موجود ہیں۔ اگر چار لاکھ حکومت سے ملے تو یہ رقم ساڑھے پانچ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ ابھی ہمیں پونے تین بلکہ تین لاکھ کا اور انتظام کرنا ہے۔ اس لئے ہمیں اردو گھر کی تعمیر کے لئے چندے کی مہم کو تیز کرنا ہے اور چونکہ سال بھر کے اندر ہم عمارت کی کم سے کم تین منزلیں بنا لینا چاہتے ہیں اس لئے اس عرصے میں تین لاکھ کی رقم بہرحال فراہم کرنا ہے۔ اس لئے ایک طرف تمام اردو دوستوں سے جن کے پاس اردو گھر کی رسیدیں ہیں ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد اپنے حلقے میں چندہ کرکے ہمیں بھیج دیں دوسرے ہمیں اور انجمن کے زیادہ سے زیادہ ممبران کو ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کرکے ایسے حضرات سے بڑی رقمیں بھی لینا ہیں جو صاحب استطاعت ہیں۔ سارے ملک میں پھیلے ہوئے اردو کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے لئے تین لاکھ کی رقم کوئی بڑی چیز نہیں اردو گھر کو بہرحال انجمن کے اردو کے اور ملک و قوم کے شایان شان عمارت میں ہونا چاہئے اس لئے ہم ہماری زبان میں اردو گھر کے چندے کی فہرستیں پھر شائع کریں گے۔ ابھی تک عام چندے سے پندرہ ہزار روپے جمع ہوئے ہیں

کچھ لوگوں کو یہ رقم باعثِ شرم معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ اس طرح ہم پندرہ ہزار آدمیوں کی دلچسپی، ہمدردی اور امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس تعداد کو لاکھوں تک پہنچنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ ہم بہر حال تین لاکھ روپیہ اپنی کوشش سے سال بھر کے اندر ضرور جمع کریں گے۔ ہمیں اپنے پر، اردو دوستوں پر اور ملک و قوم پر اعتماد ہے۔

---

میں نے امریکہ کو کیسا پایا کی آخری قسط اگلے شمارے میں آئے گی۔

## اردو زبان کی ہمہ گیریت

حیدرآباد۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ نے بزم ادبیات اردو اگروال کالج کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان صرف ایک طبقہ کی زبان نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔ اردو زبان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ملک کے ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگ اسے بولتے ہیں۔ پروفیسر سلطانہ نے طلبہ کو مشورہ دیا کہ وہ اردو زبان کی ہمہ گیریت کے لئے اردو زبان کے اخبارات اور رسائل کو مقبول بنائیں۔

• رہنمائے دکن

**باقی کالم ۲ کا**

کرنل بشیر حسین زیدی، شہاب الدین دسنوی، حیات اللہ انصاری، مسعود حسین خاں۔

ادبی مجلس۔ بارہ ممبر منتخب کئے گئے۔ پانچ عہدے کے اعتبار سے ہیں۔

ڈاکٹر عابد حسین، مالک رام، پروفیسر عبد القادر سروری، بیگم انیس قدوائی، پروفیسر احتشام حسین، محمد فضل الرحمٰن، حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، سید سجاد ظہیر، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر مسعود حسین خاں۔

(۳) مردم شماری کمیٹی کے ممبران میں بیگم سلطانہ حیات کا اضافہ کیا گیا۔

(۴) سکریٹری نے اور بیگم سلطانہ حیات نے مردم شماری کے سلسلے میں اب تک ایک کام کا خلاصہ بتایا اور ممبران کے اظہارِ خیال کے بعد مردم شماری کمیٹی کی نشست ۸ ستمبر کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

(۵) صدر انجمن کو اختیار دیا گیا کہ وہ اردو گھر کی تعمیر کے لئے چندہ طلب کریں۔

آل احمد سرور

---

# انجمن کی مجلس عام کا جلسہ

اتوار، ۲۳ راگست کو گیارہ بجے صبح، انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عام کا ایک جلسہ ہردیال ہاؤس نئی دہلی میں، منعقد ہوا۔ صدر انجمن ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو نے صدارت فرمائی۔ حسب ذیل حضرات نے جلسے میں شرکت کی۔

خواجہ غلام السیدین (نائب صدر)، کرنل بشیر حسین زیدی، پروفیسر عبد القادر سروری، بیگم انیس قدوائی، پروفیسر احتشام حسین، مس حمیدہ سلطان، حیات اللہ انصاری ایم۔پی، بیگم سلطانہ حیات، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، سید سجاد ظہیر، سید شہاب الدین دسنوی، سکندر علی وجد، مالک رام، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر مختار الدین احمد، شمیم احمد شمیم، سری نواس لاہوٹی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، شری ویر راگھون نمائندہ وزارت تعلیم، پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری، جناب دکشا بودھ (آرکی ٹکٹ) بطور خاص مدعو تھے۔

حسب ذیل امور طے ہوئے۔

(۱) اس جلسے میں وزارت تعلیم کے اس خط پر غور کیا گیا جس میں اس نے اردو گھر کی تعمیر کے لئے چار لاکھ یا تعمیر کے اخراجات کا نصف دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ یہ نصف چار لاکھ سے زیادہ نہ ہو۔ حکومت نے اپنے خط میں ایک خاص شرط یہ رکھی ہے کہ انجمن وزارت تعلیم کو ترقی اردو بورڈ کے دفتر کے لئے مناسب جگہ اردو گھر میں دے۔

اس خط پر خاص تفصیل سے گفتگو ہوئی جس میں جناب حیات اللہ انصاری، جناب شمیم احمد شمیم، جناب مالک رام، پروفیسر عبد القادر سروری، کرنل بشیر حسین زیدی، سری نواس لاہوٹی، سکندر علی وجد نے حصہ لیا۔ بحث کے بعد متفقہ طور پر حسب ذیل قرارداد پاس ہوئی۔ مجلس عام کا یہ اجلاس وزارت تعلیم کی اردو گھر کی تعمیر کے لئے چار لاکھ روپیہ کی گرانٹ کو اصولی طور پر منظور کرتا ہے اور خط کی تفصیلات اور ترقی اردو بورڈ کے لئے مناسب جگہ کے تعین کے سلسلے میں صدر انجمن کو انجمن کی طرف سے تمام مسائل کے طے کرنے کا اختیار دیتا ہے۔

(۲) چونکہ انجمن کی مجلس عاملہ، مالی مجلس اور ادبی مجلس کے ممبران کی معیاد ختم ہو گئی تھی اس لئے مجلس عام نے حسب ذیل ممبران کا انتخاب کیا۔

مجلس عاملہ۔ سات ممبر منتخب کئے گئے۔

ڈاکٹر عبد العلیم، بیگم انیس قدوائی، حیات اللہ انصاری، مالک رام، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر مختار الدین احمد، سری نواس لاہوٹی، صدر، نائب صدر (دو)، جنرل سکریٹری اور دو نمائندے حکومت کے اس کے علاوہ ہیں۔

مالی مجلس۔ چار ممبر منتخب کئے گئے (پانچ عہدے کے اعتبار سے ہیں)

(باقی صفحہ ۲ کالم ۱ پر)

عبدالقوی دسنوی

# قادر نامہ

قادر نامہ سے متعلق اگرچہ مرزا کی تحریروں میں کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن چونکہ یہ کتاب غالب کی زندگی میں دہلی سے دوبار، ۱۸۵۶ء میں مطبع سلطانی سے اور ۱۸۶۳ء میں مجتبی پریس سے شایع ہوئی اس لئے غالبیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے تصانیف غالب میں شمار کرنے کے حق میں ہیں۔ چنانچہ مولانا امتیاز علی عرشی اس خیال کی تائید اس طرح کرتے ہیں،

"۔۔۔۔۔۔ مرزا صاحب کے اپنے کلام میں قادر نامے کا تذکرہ نہیں ملتا لیکن اس کے کلام غالب ہونے میں کسی طرح کا شبہ نہیں، کیونکہ یہ ان کی زندگی میں ان کے نام سے شایع ہو چکی تھی۱؎"

عرشی صاحب مولوی عبدالحق صاحب کے حوالے سے اس کے کلام غالب ہونے کا ثبوت مزید یہ دیتے ہیں،

"مولوی عبدالحق صاحب نے میرن صاحب پر ایک مقالہ رسالۂ اردو میں لکھا تھا اس میں انھوں نے میرن صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کتاب باقر علی خاں اور حسین علی خاں کے لئے لکھی تھی۲؎"

اس وجہ سے مولانا عرشی نے قادر نامہ مطبوعہ ۱۸۶۳ء مجتبی پریس دہلی کو نسخۂ عرشی کے حصۂ یادگار نالہ میں شامل کر لیا ہے۔ کتاب لاہور کے غالبیات نمبر۳؎ میں قادر نامہ کے مندرجہ بالا اشاعتوں کے علاوہ ذیل کی اشاعتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| قادر نامہ | اردو | غالب | مطبع فیض محمدی لکھنؤ | ۱۸۹۲ء |
| ،، | ،، | ،، | منشی مداری لال الہ آباد | ۱۸۷۲ء |
| ،، | ،، | ،، | ہلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ | ۱۹۰۷ء |
| ،، | ،، | ،، | مطبع تیجی کانپور | ۱۹۲۲ء |
| ،، | ،، | ،، | ابوالعلائی الیکٹرک پریس دہلی | ۱۹۲۸ء |
| ،، | ،، | ،، | فیروز سنز پرنٹنگ ورکس لاہور | ۱۹۴۷ء |
| ،، | ،، | ،، | مطبع جان جہاں دہلی | - |
| مرتبہ تمکین سرمدی | | | مکتبۂ نیا راہی کراچی | ۱۹۵۹ء |

کتب خانہ شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال میں قادر نامہ کے دو مختلف اڈیشن محفوظ ہیں۔ ایک کی اشاعت "قادر نامہ" کے نام سے ۸ر فروری ۱۸۹۱ء میں مطبع نظامی سے ہوئی ہے یہ اڈیشن ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کے ابتدائی چار صفحات غائب ہیں دوسرے کی اشاعت ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء میں مطبع انوری لکھنؤ سے "قادر نامہ غالب" کے نام سے ہوئی ہے۔ اس کی ضخامت ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے،

توفیق خدائے سخن آفریں دجلا بخش مضامین رنگین
حسب فرمائش مرزا اینڈ سنس بکسیلرز پروپرائٹرز نیچین "امین آباد، لکھنؤ۔

## قادر نامہ غالب

باہتمام سید حسن باقر منیجر و منصرم انوری پریس ڈاکخانہ صدر لکھنؤ
در مطبع انوری لکھنؤ گھسیاری منڈی سہ دلی طبع یافت

میں نے جب "قادر نامہ غالب" اور قادر نامہ مطبوعہ نسخۂ عرشی کا مطالعہ کیا تو کچھ اشعار ایسے ملے جو نسخۂ عرشی میں کچھ ترمیم کے بعد ہیں۔ ایک قطعہ بھی ملا جو نسخۂ عرشی میں شامل نہیں ہے ترمیم ملاحظہ کیجئے؛

کہتے ہیں امام
پیشوائے دین کو کہتے امام　　　وہ رسول اللہ کا قائم مقام

چاہ کو کہتے ہیں ہندی میں کنواں
چاہ کو ہندی میں کہتے ہیں کنواں　　　دود کو ہندی میں کہتے ہیں دھواں

گال پر جو تل ہے اوسکو خال کہہ
تل کو کنجد اور رخ کو گال کہہ　　　گال پر جو تل ہے اوسکو خال کہہ

جان　　　جان
منہ پر گر پھری پڑے ازرنگ ہے　　　فارسی پھینکے کی تو ازنگ ہے

قلعہ (دژ) کھائی کا (خندق) نام ہے
خانہ گھر ہے اور کوٹھا بام ہے　　　قلعہ اور خندق کا کھائی نام ہے

کم ہے (اندک) اور گھٹانا (کاستن)
بوسہ بھی چاہنا ہے خواستن　　　کم ہے تھوڑا اور گھٹنا کاستن

اونگھنا پوچھو (غنودن) جان لو　　　مانجھنا چاہو (زدودن) جان لو
اونگھنے کی ہے غنودن فارسی　　　مانجھنے کی ہے زدودن فارسی

بھیڑ
شہر میں چھڑیوں کے میلے کی ہے دھوم　　　آج عالم اور ہے بازار کا

جا کے
لال ڈگی پر کرینگا چل کے سیر　　　پل پہ چل ہے آج دن اتوار کا

اور گھٹنا (دز) ہے
فارسی کیوں کی چراہے یاد رکھ　　　اور گھٹنے کی ذرا ہے یاد رکھ

۱؎ قادر نامہ غالب　۲؎ نسخۂ عرشی

۱؎ دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی ص ۳۰۸۔
۲؎ ،، ،، نسخۂ عرشی ص ۳۰۸۔
۳؎ کتاب لاہور غالبیات نمبر ص ۱۵۔
۴؎ کتابت کی غلطی ہے۔

باڑھ ہے (تا تار) ایک عالم سے پوچھ

بارہ کہتے ہیں کرتے کو ہم سے پوچھ    باڑھ ہے تا تار اک عالم سے پوچھ

بجائی

بھیڑ کی دیکھو فارسی زنبور ہے    دیپنا انبر ہے اور انبور ہے

بانسلی

بانسری نے اور جلاجل جھانجھ ہے    پھر ستردن اور عقیم بانجھ ہے

پڑھنے سے

شو کے کہتے سے کچھ حاصل نہیں    مانا لیکن ہمارا دل نہیں

مندرجہ بالا شعر غزل کا مطلع ہے اس غزل میں کل پانچ شعر ہیں نسخۂ عرشی" میں "قادر نامہ" کا اسی غزل پر اختتام ہوجاتا ہے۔ لیکن "قادر نامہ غالب" میں ذیل کا قطعہ بھی درج ہے:

ہول سہم دخانہ دارد دخت گاہ
تاج را گویند افسر ہم کلاہ
دانم ہوا دہ در حرمن آمد ہوا
طور اسم کہ دیر آمد سرا
ہر گرما پس مراد آمد مرام
داح روح ایں ہر دو آمد مدام
اصل بیخ دنار آتش گرم حار
رام تابع در گہر گو ہر شمار

"قادر نامہ" مطبوعہ ۲۰ فروری ۱۸۹۱ء جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں بھی صفحہ ۱۰ پر یہ قطعہ درج ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱ پر "مفید اور دلچسپ باتیں" کی سرخی کے بعد "ابیات در صفت شہر و بازار دہلی" تحریر ہے جس میں حسب ذیل اشعار ہیں:

ہے دروازہ اوسکا گلستاں کا باب
بیاض جہاں کا ہے وہ انتخاب
فضا اوسکی دیکھے اگر اک نظر
تو دل تنگ ہووے نہ پھر عمر بھر
بھلاتی ہے اک لخت غم اوسکی سیر
خوش آتی ہے بس دمبدم اوسکی سیر
سماں واں کی دیکھے اگر اک ذرا
تو مانی نہ لے نام اوڑ تنگ کا
بہت میں نے یوں اوسکی تعریف کی
ہے اردو کی بولی کا ماخذ وہی
دھپے ہر اک دکان میں ہیں کھنکتے
کٹورے رات بھر بجتے جھنکتے
لگے ہیں ہر طرف پھولوں کے انبار
گلی کوچہ ہر اک ہے رشک گلزار
فواکہ کا وفور اس درجہ ہیگا
ملے ہے تازہ میوہ اصفہاں کا

طعام اقسام کا جو کوئی منگوائے
بقدر اک فوج کے بازار سے آئے
جو ٹھاٹھ اک سلطنت کا ہوئے درکار
تو حاضر کرے فوراً اک دکاندار
اگر اسباب چاہے ایک لشکر
تو ہاتھ آجائے بس اک دن کے اندر
نہیں ہے اہل حرفہ کوئی بیکار
کہ ہے بیع و شرا کا گرم بازار
جو ادنیٰ واں ہے دکان جواہر
وہی ہے بیگماں کان جواہر
گر اک اقلیم کا آجائے واں مال
تو لیلے اک جا جی اوسکو فی الحال
کوئی بیپاری ہو کا ہے کو فکری
کہ واں ہر شے کی بس رہتی ہے بکری

صفحہ ۱۲ پر ہندوستان کے تقریباً ۹۲ شہروں کے نام ہیں جن میں لکدیپ، رنگوں، مالدیپ، سراندیپ، نیپال اور سنگاپور بھی شامل ہیں۔ صفحہ ۱۳ پر "متفرق نظم دلچسپ" درج ہے جو ذیل میں ہے۔

باغ محفل میں تری گل تو عجب جھوم رہی
راہ پائی نہ کہیں باد صبا گھوم رہی
موتیا اور چنبیلی گل نسریں و گلاب
کیسی مست ہوئی ڈالی کہیں جھوم رہی
تعلیم آتی نہیں ہر وقت فائدہ کیا
اینٹھ ہے تم کو ہم سے مدنظر تکلف
ہر چند دو دن میں ہم ہو جائیں گے اچرن
یونہی رہا کریگا ہر دم اگر تکلف
اخلاق سب سے رکھنا تیغر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

ایضاً

باغ میں لطف ہو رہا ہوگا    گل کھلے سبزہ ڈہڈہا ہوگا
نہریں پانی سے بھر رہی ہونگی    بوندی بادل سے پڑرہی ہونگی
سیر کو چاہتا ہے جی میرا    آیئے باغ دیکھ آئیں ذرا
میوہ کچھ واں سے توڑ کر لائیں    پھر یہاں خوب بیٹھ کر کھائیں

ایضاً

خوب پانی برس کے کھل جائے    باغ جانے کا تب مزہ آئے
ڈال اور پات سب ہرے ہوجائیں    پیڑ پھولوں سے سب بھرے ہوجائیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہوں    کلیاں پھولوں کے خوب کھلتی ہوں
روش باغ پر ہوں سب جاتے    جھولی پھولوں سے بھر کے گھر لاتے
چلتے پھرتے سبق بھی یاد کریں    سیر گلشن سے دلکو شاد کریں

صفحہ ۱۴ اور ۱۵ پر مختلف جانوروں پر مختصر نظمیں ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

## ہاتھی

بولتے ہیں ہند میں ہاتھی اسے	جمع ہوں دیکھیں جو دیہاتی اسے
گو بہت ہے زور اس حیوان میں	حضرت انسان کی ہے فرمان میں

## سرباگی

رنگ دیکھو ہے تن ہاتھی کا	ہے کوہ کے مانند بدن ہاتھی کا
خرطوم نہ ملتی اگر اس کو ایسی	محتاج تھا کھانے سے دہن ہاتھی کا

## شیر

وہ درندوں کا ہے جی بادشاہ	اگر آئے غضب میں خدا کی پناہ
کمال اس میں جرأت نہایت زور	جو بولے تو جوں رعد ہوتا ہے شور

## دریائی گھوڑا

سنا کرتے تھے کانوں سے کہ ہے دریائی اک گھوڑا
سو اب آنکھوں سے دیکھا اور کا اس تصویر میں جوڑا
اگر آرام بھی ہوئے تو دم کرتا ہے آدم سے
جو بار زیں سہا اس نے نہ کھایا ہے کبھی کوڑا

## گائے بیل

گائے اور بیل جانور ہیں خوب	سب کے دل کو وہ ہیں بہت مرغوب
بیل گاڑی میں جوتا جاتا ہے	پیٹھ پر اپنی بوجھ اٹھاتا ہے
دودھ سے گائے کے ہے گھی بنتا	کیا مزہ دار ہے دہی بنتا
اس سے بالائی بنتی ہے کیا خوب	اور کھویا بھی ہوتا ہے مرغوب

## زرافہ

وہ حیوان جس کا زرافہ ہے نام	خوش اندام ہے اور بڑا تیز گام
وہ ہے جانوروں میں عجیب و غریب	ہو ششدر جو دیکھے اسے اے حبیب

## کنگارو

نام کنگارو ہے اس حیوان کا	یہ نمونہ ہے خدا کی شان کا
یہ بھی اک خلقت ہے نادر اور عجیب	وصف اس کی ذات میں ہے بس عجیب

## مگر

ہند میں نام اس کا کہتے ہیں مگر	اس کی صورت کو کوئی دیکھے اگر
تھوتھنی لمبا دم دراز اور منہ بڑا	رہتا ہے خشکی تری میں یہ پڑا

## پرداں وہیل

نام اس مچھلی کا ہے پرداں وہیل	سینکڑوں من اس سے نکلے ہے تیل
زخم جب برچھی کا تن پر کھا گئی	بحر میں طوفان سا دکھلا گئی

## ایسکیموس کا کتا

نام کو گرچہ سگ بجا ہے یہ	اسپ ورزگاڑ کا پچا ہے یہ
اس کی ہی ذات میں بہت کمال	اس بیاں سے عیاں ہے صورت حال

## عربی اونٹ

شتر ہے بڑے کام کا جانور	کرو اس کی تم خوبیوں پر نظر
کمان گردن اور تیر سے تیز تر	سفر اس سے ہوتا ہے طے بے خبر

صفحہ ۱۶ پر "مذمت افیونیان و چانڈو بازان" ہے ملاحظہ کیجئے:

انہیں کو اپنا بنانا نہ یار	دلا گر خردمندی و ہوشیار
گریزاں انہیں سے جوں تیر باش	بیامیختہ چون شکر شیر باش
انہیں سے بہتر ہے وہ لاکھ بار	ترا اژدہا گر بود یار غار
انہیں کا مسکن جہنم بود	انہیں نکو عاقبت کم بود
نشئی کے احوال ہوتا ہے بد	وز و نشنود کس جز اقوال بد
انہیں کی صحبت ہے بے شبہ بد	کز و ننگ دنیا و عقبیٰ بود
ہوا جس کا افیون نوشی شعار	کجا روز محشر شود رستگار
انہیں پر ہر دم خدا کی ہے مار	کہ او را نیارد خرد در شمار
کبھی لے نہ افیون بیگم کا نام	کسی را کہ اقبال باشد غلام
ملے چلنیں بھرنے کی خدمتگری	اگر روزگارش کند چاکری
ہو صرف حلوہ وکشیاں کند	اگر در کفش گنج قارون بود
انہیں ہے ممسک مثال بخیل	مبر نام مالی و منال بخیل
انہیں کو ترشی سے ہے احتراز	چو از آب باشد شکر را گداز
دخانہای چانڈو سوزندہ ہیں	ورو شعلہای خرد زندہ ہیں
دخانش سیاہی رساند بدل	زند سوز او شعلہ در آب و گل
بہ دودش دل آزار مائل مباش	ز دود دل خلق غافل مباش
نہیں اس کو پیتے ہیں اہل خرد	مگر ہر کہ محکوم شیطان بود
پیا جس نے چانڈو کا یا رو دھواں	برآورد از اہل عالم فغاں

اسی نظم کے ساتھ یہ کتاب اختتام کو پہنچی ہے۔

## کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

### سفینہ (مجموعۂ کلام)

مصنف: ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ

ملنے کا پتہ: کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

صفحات: ۱۶۸ / قیمت: ۵ روپے

### پھولوں کی مہک کانٹوں کی چبھن

مصنف: ایم۔ اے۔ خان۔ ایم۔ اے

طباعت: اسرار کریمی پریس الٰہ آباد

صفحات: ۲۵۱ / قیمت: سات روپے

### بڑی حویلی

مصنف: مرزا محمود بیگ

ناشر: مکتبہ جامعہ دہلی

صفحات: ۷۸

قیمت: دو روپے

پروفیسر ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

# فورٹ سینٹ جارج کالج

## (دکھنی کا ایک اہم مرکز)

تاریخ اردو ادب میں فورٹ ولیم کالج کو جدید نثر کا ایک اہم مرکز ہونے کی وجہ سے ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو اسی کے مماثل ایک اور اہم ادارہ فورٹ سینٹ جارج کالج کا علم ہے کیونکہ ہمارے قدیم مورخین ادب نے مواد کی قلت اور اردوئے قدیم یعنی "دکھنی" کی غرابت کے سبب اس اہم مرکز کی نشان دہی نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ دکھنی سلطنتوں عادل شاہیہ، قطب شاہیہ اور نظام شاہیہ کے سقوط کے بعد مدراس میں یہ ادارہ دکھنی (قدیم اردو) کا ایک اہم مرکز بنا رہا جو ۱۸۳۷ء میں میکالے کے مشہور منشور MINUTE کی اشاعت کے بعد (جس کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرکاری زبان انگریزی قرار پائی) قعر گمنامی میں چلا گیا۔ ڈلہوزی نے اپنے زمانہ گورنری میں ہندوستان کی ملکی زبانوں کی ترویج و ترقی میں خاص دلچسپی لی تھی اور نظما کے بورڈ سے اس کی ترقی کے لئے خطیر رقومات مختص کروائی تھیں۔ لیکن انگریز تاجروں نے ڈلہوزی کی ملکی زبانوں کی ترویج و ترقی کے لئے کمپنی کی طرف سے خطیر رقومات دئے جانے کی پالیسی کی مخالفت کی۔ اسی کی وجہ سے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی مسدودی عمل میں آئی[1] اور سینٹ جارج کو دی جانے والی امداد میں کمی کی گئی (یعنی صرف دو ملکی زبان سکھانے والے منشی رکھے گئے اور کسی یورپین مستشرق کا تقرر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملکیوں کی بہ نسبت یورپین "منشیوں" کو مشاہرہ زیادہ ملتا تھا۔)

اس کے برخلاف ۱۸۰۹ء میں انگلستان کے نواحی علاقے ہرٹ فورڈشائر میں ہیلی بری کالج[2] HAILBARY COLLEGE کے قیام کی سفارش کی جہاں السنہ شرقیہ بالخصوص اردو جس کو اس زمانے میں "ہندوستانی" اور "دکھنی" کے ناموں سے پکارا جاتا تھا کی تعلیم دی جاتی تھی اس کالج کے تحت اردو کی کئی اہم کتابیں بھی چھاپی گئیں جن میں ڈنکن فوربز کا مرتب کردہ باغ و بہار کا اڈیشن جان شیکسپیر کی "صرف و نحو"، "ہندوستانی لغت" اور "مقدمہ تعلیم ہندوستانی" مشہور ہیں۔"

لیکن سینٹ فورٹ جارج، ہیلی بری کالج کے متوازی کام کرتا رہا۔ اس ادارے کا ذکر سب سے پہلے حکیم شمس اللہ قادری کی کتاب "اردوئے قدیم" میں ملتا ہے۔ جس میں حکیم صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ شیخ عین الدین گنج العلم کے رسائل نیز شمس العشاق میران جی کی تصانیف "گل باس" و "جل ترنگ" سینٹ جارج کالج کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

ان کے بعد دو دکھنی مصنفین محمد ابراہیم بیجاپوری مصنف دکھنی "انوار سہیلی" مطبوعہ ۱۸۲۴ء اور شمس الدین احمد مصنف حکایات الجلیلہ نے اپنی کتابوں کے دیباچوں میں شہادت دی ہے کہ مدراس میں ایک مرکز قائم تھا نیز یہ کتابیں کمپنی کے افسران والاشان کو دکھنی سکھانے کی غرض سے لکھی گئیں۔ شمس الدین احمد نے "حکایات الجلیلہ" کے دیباچہ میں اعتراف کیا کہ۔

> "باوجود یکہ تیس برس سے مدراس کے کالج میں نوکری وہاں کے بہت سے سرداران والاشان کی تعلیم و تدریس میں عمر عزیز اپنی صرف کیا"

آگے چل کر وہ جان ہسٹوکس کا ذکر کرتے ہیں جو اس کالج کے رکن اوّل تھے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

> "در یا دل بہادر جان ہسٹوکس صاحب دام ثروتہ جو اس کالج کے رکن اوّل تھے از راہ عنایات و نوازشات کے فرمائے کہ کتاب الف لیلیٰ و دلیلہ کو موافق محاورے اس ملک کے جو خاص و عام کا کلام ہر بولی سے ہندی زبان میں نہایت سلیس اور اغلاق سے بالکل عاری رہے ترجمہ کردیں یہ قلیل البضاعت باوجود کم استطاعت بہ حکم الامر فوق الادب ایک جزو اس کا ترجمہ کر صاحب ممدوح کے حضور میں گذارنا"

وہ اپنے ایک ساتھی محمد حسینی یا محمد حسن علی مدرس کالج کے بھی ممنون ہیں جنھوں نے ان کے ترجمے کی نظر ثانی کی۔ پھر الیگزنڈر ڈنکن کیمبل کی تعریف و توصیف کرتے ہیں جو اس کالج کے پہلے سکریٹری تھے۔ یہ ترجمہ فریڈرک آڈم گورنر مدراس کے عہد میں مطابق ۱۸۳۶ء پایہ تکمیل کو پہنچا۔[3]

"دکھنی انوار سہیلی" کی وجہ تصنیف محمد ابراہیم بیجاپوری دہی

---

[1] آگے چل کر یہ ادارہ صرف بنگالی کی تحصیل کا مرکز بن گیا

[2] ملاحظہ کیجئے بی۔ بی۔ مشرا کی کتاب THE CENTRAL ADMINISTRATION OF THE EAST INDIA COMPANY ۱۸۰۵ء میں مسدود کردیا گیا۔ مشہور مستشرق گارساں دتاسی نے اس کی مسدودی پر اپنے خطبہ میں اظہار افسوس کیا ہے ملاحظہ کیجئے خطبات گارساں دتاسی

[3] یہ کتاب "الف لیلیٰ" کا ترجمہ ہے جو چھپ بھی چکا ہے اس کے اسلوب کا مطالعہ لسانیاتی نقطہ نظر سے بہت دلچسپ ہے اس کا مخطوطہ آصفیہ میں موجود ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب میں دکھنی اور معیاری اردو میں کشمکش ہو رہی ہے مصنف معیاری اردو لکھنے کی کوشش میں عربی فارسی کے موٹے موٹے لفظ استعمال کرتا ہے۔

بتاتے ہیں جو فورٹ ولیم کے مصنفین میر امن، حیدر بخش حیدری وغیرہ بیان کرتے ہیں یعنی افسران والا شان کی تعلیم زبان دانی نیز ہندوستانی یا دکھنی میں نثری کارناموں کی تخلیق۔

اس طرح اس مرکز کا ذکر ان دو بزرگوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا۔ عزیزہ فرزانہ بیگم کو جو میری نگرانی میں "دکھنی داستانوں" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے مقالہ تیار کر رہی ہیں اس کالج کے زیر نگرانی لکھی ہوئی ایک دو داستانیں ملیں۔

ان شہادتوں کے علاوہ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے اپنی لغت ہندوستانی کی تیاری میں مدراس کے متعلق روبک کا ذکر کیا ہے جس کا اس لغت کی تیاری میں برابر کا حصہ رہا۔

گل کرائسٹ لکھتا ہے کہ روبک مدراس کے مرکز سینٹ جارج سے وابستہ تھے نیز یہ کہ انھوں نے اس لغت کی تیاری کے لئے دو سال کی رخصت حاصل کی اور میرا ہاتھ بٹایا۔ روبک نے ہندوستانی مانیٹر "BRITISH INDIA MONITOR" کی دو جلدیں مدراس سے شائع کیں جو ایک قسم کی نصابی کتب تھیں جن میں ہندوستانی کی کہانیاں جملے مکالمے وغیرہ شامل تھے۔ مدراس میں کرنل میکنزی کے کتب خانے میں جن میں دراوڑی زبانوں کا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ دکنی کتابوں کی شمولیت اس بات کی غماز ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جنوبی ہند کی زبانوں میں اردو کی اس قدیم شکل کو "دکھنی" کا نام دیکر اس کی توسیع و اشاعت میں خاطر خواہ حصہ لیا۔ چنانچہ اس زمانے کا مشہور ماہر لسانیات اور گیس پرکن اپنی کتاب ہسٹری آف لٹریچر میں "ہندوستان کے جنوب میں بولی جانے والی ایک زبان دکھنی کا ذکر کرتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مستشرقین اردو کے ان دو روپوں "ہندوستانی" اور "دکھنی" میں عرصہ تک فرق نہ کرنے پائے تھے۔

چنانچہ جان شیکسپیئر نے اردو کی قواعد لکھی پہلے تین اڈیشنوں میں جو بالترتیب ۱۸۱۳ء، ۱۸۱۸ء اور ۱۸۲۶ء میں نکلے دکھنی کا اقتباس شامل نہیں کیا۔ آخری اڈیشن میں جو ۱۸۴۳ء میں ایل بری کالج کے طلبہ کے لئے نکالا گیا دکھنی کا بھی ایک اقتباس "کوا گیا ہنس کی چال" شامل کیا۔

گارساں دتاسی کے کتب خانے میں دکھنی کی متعدد داستانیں اور مثنویاں محفوظ تھیں۔ جو اس کو اس کے مدراسی دوستوں نے بھیجی تھیں چنانچہ وہ اپنے خطبات میں دکھنی کے ایسے دو مثنوی کارناموں کا ذکر کرتا ہے جو اس کی نظر سے گذری تھیں۔ خود اس نے دکھنی مثنوی "کامروپ" کو فرانسیسی میں منتقل کیا۔

ان شہادتوں سے یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ جہاں کلکتہ میں "ہندوستانی" میں کتابیں تیار کی جا رہی تھیں وہیں مدراس میں اردو کی قدیم شکل "دکھنی" کا پرچار ہو رہا تھا۔

بیشتر اس کے کہ سینٹ جارج کالج کے متوسلین اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا جائے سینٹ جارج کالج کی مختصر تاریخ کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

مدراس انگریز تجار کا اولین مرکز تھا جس کا ذکر تاریخ میں ۱۶۴۰ء سے ملنے لگتا ہے کئی مستشرقین نوار تھے۔ فرانسز۔ بادری وغیرہ کے سفرناموں میں سینٹ جارج کے قلعے کا ذکر ملتا ہے جس کی تعمیر و استحکام کی وہ ستائش کرتے ہیں۔ اس قلعے میں کئی پرتگیز پناہ گزین بھی تھے جو انگریزوں کی ملازمت میں تھے۔ اس جگہ پادری شلز جس کی اردو قواعد مشہور ہے کا ذکر ضروری ہے

---

حمت الاکرام

## ہیرے کی کنی

جیسے قریب صبح کوئی اونگھتا چراغ
اس طرح دل میں سر بگریباں ہے ایک یاد
اک پھول سی نہ پہنچا ہو جس تک کسی کا ہاتھ
تنہائیوں کی شاخ پہ لرزاں ہے ایک یاد
جیسے کوئی خرید کے بیٹھا ہو مہر و ماہ
اس طرح لٹ لٹ کے بھی نازاں ہے ایک یاد
رہزن کے حق میں جیسے ہو غالب دعا گزار
اس بانکپن کے ساتھ غزل خواں ہے ایک یاد
موجوں میں جیسے کوئی دیا نام خضر کا
اس طرح لوح شب پہ فروزاں ہے ایک یاد
کون اس کا میزباں ہو نہیں کوئی آس پاس
ویرانۂ خیال میں مہماں ہے ایک یاد
اس طرح جیسے آبلہ پاؤں کا قافلہ
لمحوں کی رہگذر پہ خراماں ہے ایک یاد
جائے کدھر کہ باڑھ ہے کانٹوں کی چار سو
صحرائے صبح و شام میں جولاں ہے ایک یاد
ماضی یہ چاہتا تھا کہ دامن چھڑا چلے
وہ تو کہو کہ سلسلہ جنباں ہے ایک یاد
کام آہی جائے گی کبھی ہیرے کی یہ کنی
اتنا تو ہے کہ سینے میں خنداں ہے ایک یاد

---

۱؎ صاف پڑھا نہیں جاتا۔

۲؎ یہ جرنل بنگال کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا ترجمان ہے۔

۳؎ اس کا نمونہ گریرسن نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ راقم الحروف کی کتاب دکھنی نثر پارے میں بھی اس کا اقتباس شامل ہے۔

۴؎ قصص　　کا دکھنی ترجمہ از عبدالصمد عبدالوہاب خاں قصہ فیروز شاہ طوطی نامہ (طوطی نامہ)، لعل و گوہر دکھنی

یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ پرتگیزوں نے بھی اردو کی توسیع و ترقی میں دلچسپی لی۔ ان میں سے ایک پادری ابراہیم دی نے مدراس کا ذکر ضروری ہے جنھوں نے رومن کیتھولک بچوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔

اردو عربی و فارسی کے عالم تھے۔ انھوں نے بائبل کے ترجمے مقامی زبانوں میں کئے تھے۔ گولکنڈہ کی افواج نے میر جملہ کی سرکردگی میں اس پر حملہ کیا تھا اس کے بعد سے انگریزوں نے اس قلعے کو زیادہ مستحکم بنایا۔ یہاں جونیر سول انگریز ملازمین کو ملکی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ بھرتی انگلستان میں ہوتی تھی اور ۱۶ سے ۱۸ سال کی عمر تک کے ایسے نوجوان چنے جاتے جو ہندوستان میں ملازمت کے خواہش مند ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں "WRITER" یا منشی کے عہدہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سول اور فوجی دونوں ذمہ داریاں پوری کرے گا۔ ۱۷۵۵ء میں منشیوں کے لئے قانون بنایا گیا جس کی رو سے ان کا تقرر ۵ سال کے لئے ہوتا اور ان کی یافت ۲۰۰ روپے قرار پائی۔ چونکہ یہ منشی کسی منظم ادارہ سے وابستہ نہیں تھے اس لئے ویلزلی نے ایک ادارہ کے قیام کی سفارش کی اس مقصد کے لئے ۱۷۹۹ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنا ڈالی گئی۔ جس کا پہلا صدر گل کرائسٹ چنا گیا۔ اس سے پہلے یہ کام سینٹ جارج کالج میں ہو رہا تھا لیکن اس کو باضابطہ حیثیت نہیں دی گئی ۱۷۹۹ء میں فورٹ ولیم ملازمین کی ٹریننگ کا مرکز قرار پایا۔ چنانچہ مدراس اور بمبئی سے بھی آفیسرز اس ادارے میں تعلیم کے لئے بھیجے جانے لگے جہاں اس کا مقصد السنہ شرقیہ کی سرپرستی تھا دین بڑا مرکز عیسائی مذہب کی تعلیم بھی تھا لیکن ۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کی مرکزی حیثیت ختم کر دی گئی اور مدراس کے قدیم مرکز سینٹ فورٹ جارج کا احیا کیا گیا۔ ہ۔ ڈ۔ لو نے اپنی کتاب میں اس نئی تنظیم کا سنہ ۱۸۰۸ء مقرر کیا ہے۔ لیکن مری فراس اپنی تاریخ مدراس ۱۸۱۲ء لکھتے ہیں۔ ان کا بیان ہے۔

"[۱] ۱۸۱۲ء میں سینٹ فورٹ جارج کے لئے ایک بورڈ قائم کیا گیا اس کالج کے مقاصد بھی وہی تھے جو فورٹ ولیم کے تھے اس کا مقصد جونیر سول ملازمین کی تعلیم تھا۔ فورٹ ولیم پر اس کو ایک طرح سے اس لئے تفوق حاصل تھا کہ یہاں ادب کے ساتھ قانون اور ہندوستانی کے علاوہ دوسری ملکی زبانوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اس لئے یہاں صرف "منشی" ہی نہیں آتے بلکہ وکلا اور ججوں کو بھی ٹریننگ دی جاتی اس کے تحت ایک اشاعت گھر بھی جو ملکی زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں کو چھاپتا تھا۔ ایک ڈپو بھی قائم تھا جو السنہ مشرقیہ کے مخطوطات خریدتا اور ان کی دیکھ بھال کرتا بعد میں اس کا انضمام مدراس لٹریری سوسائٹی کے ساتھ ہو گیا۔"

بادی النظر میں یہ ادارہ فورٹ ولیم کے سقوط کے بعد ابھرتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی باضابطہ تنظیم گو ۱۸۱۲ء میں ہوئی لیکن اس سے پہلے وہ یہی کام کر رہا تھا اس کے دو وجوہ تھے ایک تو یہ کہ یہاں سب سے پہلے ہندوستانی اشخاص پر مشتمل انگریزی فوج تیار کی گئی جو "چپراسی بٹالین"[۱] کہلاتی تھی دوسری وجہ یہاں "تخمین داری اسکولز" کا رواج تھا۔ جہاں صرف ملکی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔

مدراس میں دکنی کے فروغ کا ثبوت ایک مدراسی فوجی افسر CARR .W .M کے بیان سے بھی ملتا ہے۔ اس نے فائز کی مثنوی "قصہ رضوان شاہ و روح افزا" ۱۸۸۲ء کی تدوین کی تھی وہ لکھتا ہے۔

"ہندوستانی زبانوں میں دکنی کے متعلق بہت کم لکھا گیا اگر ہمت افزائی کی جائے تو ایڈیٹر کا خیال ہے کہ دکنی شعرا کے کلام کو ایک سلسلہ کی شکل میں طبع کرا دے۔"

یہاں اس امر کا ذکر باعث از دلچسپی ہوگا کہ حسین عطا خاں تحسین کی نوطرز مرصع لکھنے کے محرک "جوزف اسمتھ" کا تعلق مدراس کے فوجی مرکز ہی سے تھا۔ بعد میں وہ شاہ عالم کے دربار میں پہونچ گئے۔

بڑی کھوج کے بعد سینٹ جارج کالج کے معلمین اور متوسلین میں مندرجہ ذیل اشخاص کے کارنامے ملتے ہیں۔

| مصنفین | تصنیف |
| --- | --- |
| (۱) شمس الدین احمد بن عبدالرحیم متوطن مدراس | حکایات الجلیلہ مطبوعہ و مخطوطہ۔ |
| (۲) تھامس روبک | برٹش انڈین مالی ٹر ہندوستانی لغت وغیرہ۔ |
| (۳) محمد ابراہیم | مطبوعہ نظم و نثر — انوار سہیلی یا دکنی انجمن مطبوعہ |
| (۴) محمد خان | اسرار محمدی ترجمہ مطلع الانوار مخطوطہ |
| (۵) سید تاج الدین | بعد میں مدراس کے مشہور اخبار گلدستہ ہند تاریخ جامع الاخبار سے وابستہ ہوگئے۔ |

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

[۱] اس بٹالین کی ابتدا مدراس میں YALE کی گورنری کے زمانے میں ہوئی YALE وہی شخص ہے جس کے نام پر امریکہ کی مشہور یونیورسٹی قائم ہوئی YALE کئی سال تک ہندوستان میں رہا تھا۔ پھر امریکہ میں جا کر بس گیا اس نے ایک خطیر رقم جو اس نے ہندوستانی تجارت کے دوران کمائی تھی امریکہ کی حکومت کو دی جس سے YALE یونیورسٹی قائم ہوئی۔

[۱] ملاحظہ کیجئے HISTRY OF THE CITY OF MADRAS صفحہ ۳۰۲

## انجمن کی خبریں

# باباگرونانک کی پانصد سالانہ تقریب کے سلسلے میں مشاعرے کا اہتمام

انجمن ترقی اردو پنجاب "عنقریب چنڈی گڑھ میں گورونانک پانصد سالہ تقریب کے سلسلہ میں مشاعرہ اور ادبی سیمینار منعقد کررہی ہے۔ اس مشاعرہ میں شرکت کے لئے ہندوستان کے بہت سے نامور شعرا کے علاوہ پاکستان کے بعض بلند مرتبت اور گروصاحب کے عقیدت مند اردو شعراء کو بھی دعوت شرکت دی جارہی ہے انجمن اس موقعہ پر ایک یادگار سووینیر بھی شائع کرے گی۔

اس تقریب کے انتظام کے لئے محترم ایس۔ ایس بیدی صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس نے سرگرمی کے ساتھ اپنا کام شروع کردیا ہے۔

مشاعرے کی صدارت کے لئے محترم وزیر تعلیم پنجاب اور افتتاح کے لئے جناب وزیر اعلیٰ صاحب پنجاب کی منظوری حاصل کرلی گئی ہے۔ مشاعرہ کی تاریخ کے تعین کا بہت جلد اعلان کیا جائے گا۔

انجمن نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اس مشاعرہ میں پڑھی جانے والی متعلقہ نظموں کے علاوہ اردو شعرا نے اب تک گورو صاحب کو جو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس تمام تر سرمایۂ کلام کو مرتب کرکے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔

• سورج تنویر جنرل سکریٹری

## جشن آزادی کا بہاریہ مشاعرہ

۲۲ر اگست کو بہاریہ مشاعرہ شری آئی۔ کے۔ گجرال مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات کی زیر صدارت دہلی پبلک لائبریری میں منعقد ہوا۔

صدر محترم نے اردو کو جو اس دور میں مشکلات درپیش ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اردو والے کوشش کرتے ہیں کہ اس ہر دلعزیز زبان کو ملک میں باقی رکھا جائے انجمن ترقی اردو بھی ان اداروں میں شامل ہے جو اردو کی ترقی کے لئے ہر طرح کوشاں رہتی ہے۔

موصوف نے فرمایا کہ ہمارے شعراء اور ادباء کو ملک میں جو مسائل درپیش ہیں، ان کی طرف توجہ دینی چاہئے اس سے یقین ہے اردو کو بہت تقویت پہنچے گی۔

مشاعرہ میں جن نامور شعرائے کرام نے اپنا کلام سنایا ان میں روش صدیقی، سلام مچھلی شہری، سید حامد، خار دہلوی، رفعت سروش، شمیم جھانوی، بہار برنی، گلزار دہلوی، شہاب جعفری، حلیم اختر، روشن بنارسی اور ظفر ادیب شامل تھے۔

• جنرل سکریٹری

# عوامی سرپرستی نے اردو زبان کو زندہ جاوید بنادیا ہے

حیدرآباد:۔ اردو زبان کی شیرینی اور لطافت نے اس کو ہمہ گیر بنایا ہے۔ کسی زبان کا مشاعرہ اتنا شاندار نہیں ہوتا جتنا اردو زبان کا کامیاب رہتا ہے جناب جی راما نجلو نائیڈو ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج ضلع میدک نے ضلع پریشد ہال سنگاریڈی میں جشن آزادی کے سلسلہ میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے منعقدہ ایک سہ لسانی مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ میں اردو زبان بول نہیں سکتا۔ لیکن سمجھ سکتا ہوں۔ اردو کے آسان الفاظ اور اس کا ہر زبان سے کچھ ایسا تعلق ہے کہ اردو نہیں جاننے والا بھی اردو بولنے والے کے مافی الضمیر کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ اردو زبان کی عالمگیر مقبولیت کا باعث ہوئی ہے انھوں نے اردو والوں سے اپیل کی کہ وہ اردو زبان کے ختم ہونے کے خیال کو اپنے دل سے نکال دیں۔ سرکار یا دربار کی سرپرستی سے صرف زبان کو بڑھا وا مل سکتا ہے۔ لیکن جب کسی زبان کو عوامی سرپرستی حاصل ہوجاتی ہے تو وہ زندہ جاوید بن جاتی ہے۔ اردو زبان کو عوامی بنانے کے لئے اردو والوں کو اس قسم کے تہذیبی اور ادبی اجلاسوں کے علاوہ ذہنی درسگاہیں قائم کرنی ہوں گی جس میں اردو والوں کو کچھ ایسے جاذب منصوبے پیش کرنے ہوں گے جس کی وجہ اردو دشمن بھی اردو کو سمجھنے کے لئے مجبور ہوجائیں۔

• رہنمائے دکن

## اخبار و افکار

# آزادی کے بعد اردو شاعری میں وطنی جذبات

اوجین: میونسپل کارپوریشن ہال میں بزم ادب کے مشاعرے کا افتتاح کرتے ہوئے جناب گویا قریشی نے کہا۔

اس دیش کی آزادی کے لئے جو جنگ لڑی گئی اس میں سیاست دانوں کے ساتھ ادیب و شاعر بھی برابر کے شریک رہے ہیں بلکہ سیاست کی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے اور عوام کو متحرک رکھنے کے لئے قلمکاروں نے زیادہ خدمت انجام دی ہے۔

اردو شاعری نے بھی آزادی کے بعد وطنی جذبات کو اپنے یہاں بھرپور نمائندگی دی ہے۔ آپ نے کہا کہ فنکار کا قلم تاریخ ساز ہوتا ہے ہم جو دل پہ گذرتی ہے رقم کرتے ہیں گے تو یقیناً موجودہ دور اور آنے والے دور میں بھی نسلیں اس سے استفادہ کریں گی۔

سچے فنکار کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماحول سماج ملک اور قوم کے جذبات و احساسات کو پورے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر دیانتداری کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

مشاعرے میں بہت سے نامور شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ • قومی آواز

## بسواں میں اردو مردم شماری مہم

بسواں (سیتاپور) مسلم زنانہ بسواں اسکول میں اردو مردم شماری مہم کا ایک جلسہ مولانا شریف احمد خاں کی صدارت میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب کیا گیا۔ صدر مولانا شریف احمد نائب صدر ڈاکٹر توکل حسین، جنرل سکریٹری عثمان خاں، سکریٹری عبدالرشید خازن۔ ڈاکٹر حاجی نسیم حسین کنونیر اصغر علی۔ • قومی آواز

## شہید اردو دیونرائن پانڈے کی یادگار کے قیام کا منصوبہ

لکھنؤ: لکھنؤ کے محبان اردو کا ایک نمائندہ جلسہ نواب سید افسر حسین ایڈوکیٹ کی صدارت میں شہید اردو پنڈت دیونرائن پانڈے، کامریڈ بہادر سنگھ اور ابراہیم پردیزی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے ہوا۔

شہر کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری شری گیا پرشاد شاستری نے پانڈے جی کو ایک عظیم ہندوستانی بتایا اور کہا کہ چند فرقہ پرستوں کو چھوڑ کر ہر ہندوستانی پانڈے جی جیسا ذہن رکھتا ہے۔

جناب شاستری نے اردو کے مطالبے کی حمایت کی اور اس بات پر فخر ظاہر کیا کہ وہ جو زبان بولتے ہیں وہ خاص اردو ہے۔

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے اردو والوں کو مشورہ دیا کہ وہ حکومت پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود جد وجہد کریں اور اپنے بچوں کو اردو پڑھائیں۔

انھوں نے افسوس ظاہر کیا کہ مقامی کارپوریشن میں اردو کے حامی بہت سے کارپوریٹروں کے ہوتے ہوئے بھی لکھنؤ کارپوریشن کے انتظام میں چلنے والے پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھنے والے بچوں کو مشکلات پیش آرہی ہیں۔

شیخ محمد مستنصر اللہ نے کہا کہ پانڈے جی کے لئے سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہوگا کہ آئندہ ہونے والی مردم شماری میں اردو والوں کو صحیح تعداد ظاہر کرنے کے لئے سرگرم جد وجہد کی جائے۔

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے پانڈے جی کی شہادت کو اردو تحریک کی ایک عظیم قربانی بتایا۔ ایک رزولیوشن کے ذریعہ پانڈے جی کی ایک یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ایک دوسری قرارداد میں اردو کے ان دانشوروں کی مذمت کی گئی جو اردو کا رسم خط بدلنے کی رائے دے رہے ہیں۔

• قومی آواز

## روس میں اردو کی مقبولیت میں اضافہ

ماسکو: ہمارے نمائندے نے ماسکو سے خبر دی ہے کہ روس میں اردو کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے روس میں اردو ادب کا مطالعہ پہلے سے کافی بڑھ گیا ہے۔ آج کل اردو کی تعلیم اعلیٰ جامعتوں میں ہی نہیں بلکہ سکنڈری اسکولوں میں بھی ہوتی ہے۔

یہ اسکول ماسکو، لینن گراڈ، تاشقند اور دیگر شہروں میں قائم ہیں۔ تاشقند میں طلبہ جغرافیہ اور تاریخ اردو ہی میں پڑھتے ہیں

ہیں۔ اردو کی مقبولیت کی وجہ محض یہ ہے کہ اردو ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں نے نہایت فنکارانہ اور دلآویز طریقہ پر ہندوستانی کی زندگی اور ان کے افکار و جذبات کو پیش کیا ہے۔

• الجمعیۃ

## کاغذ نگر میں اردو جونیر کالج کی ضرورت

جناب نصرت احمد کونسلر نے اپنے ایک صحافتی بیان کے ذریعہ سرپور کاغذ نگر میں ذریعہ تعلیم اردو کے جونیر کالج کے قیام کا مطالبہ کیا جناب نصرت احمد نے کہا کہ اس وقت کاغذ نگر میں دسویں جماعت تک اردو ذریعہ تعلیم ہے لیکن اس کے آگے طلبہ کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کے کوئی مواقع نہیں ہیں اس لئے ارباب تعلیمات کو فوراً اس جانب توجہ کرنی چاہئے اس خصوص میں وزیر تعلیم جناب پی وی نرسمہا راؤ کو ایک یادداشت بھی روانہ کی گئی ہے، جس میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ سرپور کاغذ نگر میں اردو ذریعہ تعلیم کے جونیر کالج کا قیام عمل میں لایا جائے۔

• رہنمائے دکن



باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

کارآمد اور ہر اعتبار سے کفایت شعارانہ ہے، زبان کی انفرادیت کا دارومدار بڑی حد تک اس کے رسم الخط پر ہوتا ہے۔ اردو رسم الخط کو ہم تاج محل کی صناعی سے شابہت دے سکتے ہیں جو ایک حسین اور لازوال نقش ہے اور جس میں ہندوستانی ذہن اور مزاج کے بہت سے رنگ اور اس کی روح کا سوز و ساز اور درد و داکر زد برسوں کے عمل صیقل سے گذر کر آئینہ ہوگئے ہیں۔ فراق نے خود بارہا کہا ہے کہ اردو زبان و ادب میں وہ تہذیب، شائستگی اور پختگی ہے، جو صدیوں کی آبیاری کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر نمو کی قوتیں اس سے بھی زیادہ ہیں، جتنی اب تک ظاہر ہوئی ہیں۔ کیا اردو زبان کی اس ثمر رسیدگی کو اس کے رسم الخط سے علٰحدہ کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا فراق اپنی منطق کے لوازمات کو قبول کرتے ہوئے اردو کے خوبصورت جسم پر کاری زخم لگاکر اس کے تن میں زہر خانہ سلادینا چاہتے ہیں؟ میں جب کبھی کسی گوشے سے کسی مربی سے منسوب زدہ کا یہ نعرہ سنتا ہوں کہ اردو کو رومن حروف میں لکھنے سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا، تو بے اختیار شیخ سعدی کا یہ مصرع ذہن میں گونج اٹھتا ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اردو کو دیوناگری رسم الخط میں لکھنے کا مشورہ دینے والے یقیناً اردو کے بہی خواہ نہیں ہیں اور اس زبان کے سچے پریمیوں کو ان سے خبردار رہنا چاہئے۔ دستور ہند کی دفعات کے مطابق اردو کو اس ملک میں زندہ رہنے اور پروان چڑھنے کا حق ہے اور یہ اپنے تمام حسن و قوت اور جمال و جلال کے ساتھ انشاءاللہ زندہ رہے گی۔

---

باقی صفحہ ۸ سے آگے

۶۔ زبی نوازیں

۷۔ قواعد تعلیم ورج

۸۔ ترجمہ سنگھاسن بتیسی

۹۔ حیدر نامک

ان میں بیشتر کا وطن مدراس تھا، بعض ایسے تھے جن کے خاندان زمانہ دراز کے بعد مدراس میں بس گئے تھے۔ مختصر یہ دکنی کا وہ اہم ادارہ تھا جس کی تاریخ ادب میں جگہ نہیں ملی لیکن جس نے زبان اردو کی مشعلی میں حسب حیثیت حصہ لیا تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس روایت پارینہ کو "روایت" میں تبدیل کیا جائے اور ایک ضخیم کارنامہ اس عہد کا مرتب کیا جائے۔

▲

اسلوب احمد انصاری

# میرا صفحہ

کچھ ہی دن بیشتر اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ اردو کے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری کو ایک لاکھ روپے کے گراں قدر گیان پیٹھ انعام سے نوازا گیا ہے۔ اس خبر کا اردو داں طبقے میں گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ چند سال پہلے انھیں ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے بھی انعام مل چکا ہے۔ یہ دونوں انعام نہ صرف فراق کے شاعرانہ مرتبے کا کھلے دل سے اعتراف کی علامت ہیں، بلکہ اس سے اردو زبان کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ فیض اور فراق اس عہد کے دو ممتاز ترین شاعر ہیں، اور گو دونوں کے میدان جدا اور رنگ مختلف ہیں، لیکن اردو شاعری میں دونوں نے جو اضافہ کیا ہے، اس سے انکار ممکن نہیں۔ فراق کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کی روایات میں جن پر استداد وقت کے سبب ایک طرح کی مجہولیت طاری ہو گئی تھی، اور ان میں ایک طرح کا باسی پن آ گیا تھا، تازگی جدت اور نکھار پیدا کیا۔ اس میں فکر کے عنصر کی آمیزش کی۔ اسے ایک نئی جمالیت اور سرشاری اور ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے کام لے کر اور انگریزی اور بعض ہندوستانی زبانوں کے ادب سے فیض یاب ہو کر اسے نئی وسعتوں اور پہنائیوں سے آشنا کیا۔ شاید میں ان چند لوگوں میں سے ہوں، جنھوں نے ان سب باتوں کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ بڑھ چڑھ کر ان کا اعلان بھی کیا۔ اس انعام کے ملنے کی فراق کو جو مسرت ہوئی ہوگی، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں اور اس مسرت میں اردو کے سب ہی پڑھنے والے ان کے شریک ہیں۔ لیکن انعام ملنے کے بعد عالم جذب میں جو بیانات انھوں نے دئے اور جو مختلف اخبارات میں شائع ہوئے، انھیں پڑھ کر ایک گونہ تعجب بھی ہوا اور ان سے بعض اوہام کی شکست بھی ہوئی۔ فراق کے مزاج میں بے جا تفاخر، پندار اور انانیت کا جو عنصر ہمیشہ رہا ہے وہ فراق کے ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں اپنی شاعری ایک قوت شفا (HEALING POWER) کی حامل نظر آتی ہے (واضح رہے کہ یہ ترکیب مشہور نقاد میتھو آرنلڈ نے انگریزی کے عظیم شاعر ورڈز ورتھ کے بارے میں استعمال کی تھی) اور اس میں وہ ایک آفاقی کلچر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ہے کہ ہماری زبانوں کے سیاق و سباق میں جائز طور پر اس اصطلاح کا اطلاق صرف اقبال اور ٹیگور کی شاعری پر کیا جا سکتا ہے، لیکن حال ہی میں ان کا یہ فرمانا کہ وہ اپنی ذہنی پرداخت اور نشو و نما میں کسی سے متاثر ہی نہیں ہوئے ہیں، یا ان کے بعض اشعار ایسے ہیں، جن پر شیکسپیر اور گوئٹے کو بھی رشک آ سکتا ہے ایسے بیانات ہیں، جن پر کوئی بھی سنجیدہ پڑھنے والا زیر لب مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ انھوں نے بعض باتیں اسی ضمن میں ایسی بھی کی ہیں، جن سے ان کے دل کا چور پوری طرح ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ فراق وقتاً فوقتاً اپنے قیاس میں اردو پڑھنے والوں کا جی خوش کرنے کے لئے ہندی زبان و ادب کی مذمت کرتے رہے ہیں، جو قطعی طور پر غیر ضروری سی چیز ہے۔ لیکن ان کا ایک ہی سانس میں اردو کی حلاوت، دلآویزی، لطافت اور لچک کا بار بار ذکر کرنا اور پھر یہ مشورہ دینا کہ اردو کا رسم الخط بدل کر اسے دیوناگری میں لکھا جائے کیونکہ اس طرح دونوں زبانیں ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گی اور وہ دوری ختم ہو جائے گی جو برسوں سے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان چلی آ رہی ہے، ایسی منطق ہے جسے دو دھاری تلوار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی امور قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ فراق کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اردو اپنے مخصوص رسم الخط میں استعمال کے جانے کی وجہ سے فصل کا ذریعہ بنی رہی ہے، حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے اور دونوں قوموں کے درمیان فصل کا نہیں بلکہ وصل کا وسیلہ ثابت ہوئی ہے۔ یہ ایک مخلوط زبان ہے، جسے مسلمان حجاز یا ایران یا افغانستان سے اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، بلکہ جو اسی ملک کے رہنے والوں کی ضروریات کے مطابق اسی سرزمین سے چشمۂ حیات کی طرح پھوٹی تھی، اور اس نے اپنے بولنے والوں کے ذہن و ذوق و ذکاوت کی بڑے سلیقے سے آبیاری کی اور انھیں آسودگی بخشی۔ دوسرے یہ کہ اب سے بہت عرصہ پہلے جب ہندوستانی کا سیاسی شوشہ چھوڑا گیا تھا، تو یہ دلیل لائی جاتی تھی کہ اردو اور ہندی کے درمیان خلیج کو ہموار کرنے کے لئے ایسی زبان کی ترویج ہونی چاہئے جس میں فارسی، عربی اور سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار نہ ہو۔ مجھے اپنی اس رائے کے اظہار میں باک نہیں کہ اس قسم کی زبان کا وجود جسے ہندوستانی کہا گیا ہے، اس ملک میں کبھی نہیں پایا گیا، کیونکہ زبان وہی ہے جو اپنا ادب بھی رکھتی ہو۔ بدلے ہوئے حالات میں اس قسم کی مفروضہ زبان کا تصور سراسر بے معنی ہے۔ تیسرے یہ کہ کسی زبان کے کردار اور شخصیت کا اس کے رسم الخط سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور رسم الخط ہی اسے متعین کرتا ہے۔ رسم الخط کو بدلنے کا مشورہ نہ صرف مہمل بلکہ بے حد خطرناک ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اردو رسم الخط نہایت خوشنما، بے حد دیدہ زیب، انجانیت

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L-922 فون نمبر ۲۹ R-NO- 2186/57